



## سوال

ایک حدیث قدسی ہے کہ: (میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں اب وہ میرے بارے میں جو مرضی گمان کر لے) جبکہ دوسری طرف ایک قول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "اگر میرا ایک قدم جنت میں ہو اور دوسرا جنت سے باہر ہو تو تب بھی اللہ کی حمد میرا کا خوف میرے دل میں ہوگا" تو کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن نہیں رکھا؟ کیونکہ آپ تو جنت کی بشارت پانے والے، اور تمام صحابہ کرام میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے نمبر پر آتے ہیں! کیا بندے کو دل مطمئن ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنا چاہیے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کی وضاحت حدیث قدسی کی روشنی میں کر دیں بہت مہربانی ہوگی۔

## جواب

الحمد للہ

اول:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے ساتھ میرے بارے میں گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں) اس حدیث کو امام بخاری: (7405) اور مسلم: (2675) نے روایت کیا ہے۔

جبکہ سوال میں مذکور حدیث مسند احمد: (16016) وغیرہ میں ہے کہ: سلیمان بن ابی سائب کہتے ہیں کہ ابو نضر حیان نے مجھے بتلایا کہ میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ابو الاسود جرشلی کے پاس ان کے مرض الموت میں گیا، تو انہوں نے ابو الاسود کو سلام کہا اور پوچھا: اس پر ابو الاسود نے واثلہ کا دایاں ہاتھ پکڑا اور اپنی آنکھوں اور چہرے پر پھیرا: کیونکہ واثلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دائیں ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پھر سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں؟ انہوں نے کہا: وہ کیا؟ سیدنا واثلہ نے کہا: آپ کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا گمان ہے؟ اس پر ابو الاسود نے اپنے سر سے اشارہ کر دیا کہ میرا اللہ تعالیٰ کے بارے میں لہجھا گمان ہے۔ تو پھر سیدنا واثلہ نے انہیں کہا: تو خوش ہو جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں اب وہ میرے بارے میں جو مرضی گمان کر لے)

مسند احمد - موسمہ رسالہ - کے محققین کہتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور صحیح الجامع میں البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اہل علم کا کہنا ہے کہ: قریب المرگ شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے امید کرے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے گا اور اسے معاف فرمادے گا۔ جبکہ صحت کی حالت میں یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کی امید اور اللہ کی پکڑ کا خوف دونوں یکساں ہونے چاہئیں۔ کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ: صحت کی حالت میں خوف غالب رکھے اور جب انسان قریب المرگ ہو، موت کی نشانیاں نظر آنے لگیں تو پھر امید غالب رکھے یا صرف رحمت کی امید ہی لگائے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا خوف اس مقصد سے ہوتا ہے کہ انسان گناہوں اور نافرمانیوں سے بچے ہوئے زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اچھے اعمال بجالائے، اور قریب المرگ شخص اب کوئی نیکی یا توبہ بالکل نہیں کر سکتا یا بہت کم کر سکتا ہے اس لیے اس حالت میں مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں حسن ظن رکھے اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور اطاعت گزارگی کا مظاہرہ بھی کرے۔" ختم شد

"شرح النووی علی مسلم" (210/17)

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (میں اپنے بندے کے ساتھ میرے بارے میں گمان کے



مطابق معاملہ کرتا ہوں، اگر لہجہ گمان کرے تو اس کے لیے لہجہ ہوگا، اور اگر گمان کرے تو اس کے لیے برا ہوگا۔) اس حدیث کو بھی مسند احمد کے محققین نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ مناوی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

"یعنی: اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں لہجہ گمان کرے تو میں اس کے ساتھ لہجہ معاملہ کروں گا اور اگر میرے بارے میں گمان لہجہ نہیں رکھتا تو پھر میں بھی اس کے ساتھ لہجہ معاملہ نہیں کروں گا۔" ختم شد  
"فیض القدير" (312/2)

چنانچہ مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھے، لہجے لہجے اعمال بجالائے، اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے۔ اور اگر کبھی کوئی غلطی اور کوتاہی ہو جائے تو فوری توبہ کرے تاخیر مت کرے، نیز اللہ تعالیٰ سے امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے اور گناہوں سے درگزر فرمائے۔

دوم:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

**أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ**

ترجمہ: کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں حالانکہ اللہ کی تدبیر سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو نقصان اٹھانے والی ہو۔ [الاعراف: 99]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ: یہاں لوگوں کو ڈرانا مقصود ہے کہ لوگ گناہوں پر ڈٹے رہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق پامال کریں اور پھر بھی اللہ کی تدبیر سے بے خوف رہیں! یہاں اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے مراد یہ ہے کہ: لوگوں کے گناہوں اور نافرمانی والے اعمال کے باوجود اللہ تعالیٰ انہیں تسلسل کے ساتھ ڈھیل دے رہا ہے، ان پر ڈھیروں نعمتیں اور رحمتیں نازل کر رہا ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ان کے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر فوری عذاب اور بکڑا نازل ہو، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غضب سے بے خوف ہو چکے ہیں۔" ختم شد  
"مجموع فتاویٰ ابن باز" (232/24)

آپ رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں:

"مسلمان پر لازم ہے کہ کبھی بھی مالوس نہ ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو، ہمیشہ خوف اور امید کے درمیان رہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مالوس ہونے والوں کی جس طرح مذمت کی ہے اسی طرح بے خوف ہو جانے والوں کی بھی مذمت فرمائی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

**أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ**

ترجمہ: کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں حالانکہ اللہ کی تدبیر سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو نقصان اٹھانے والی ہو۔ [الاعراف: 99]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے: {لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ} تم اللہ کی رحمت سے مالوس نہ ہو جاؤ۔

اس لیے مکلف شخص چاہے کوئی مرد ہے یا عورت مالوس نہ ہو، ناامید ہو کر لہجہ عمل ترک نہ کرے، بلکہ ہمیشہ امید اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں رہے کہ اللہ کے عذاب کا بھی ڈر ہو، گناہوں سے دور رہے اور اگر گناہ ہو جائے تو فوری توبہ کرے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہے، اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو کر نافرمانی اور سستی میں ملوث نہ ہو جائے۔" ختم شد

"فتاویٰ نور علی الدرب" (38/4)

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

